سعادت حسن منٹو اور احمد ندیم قاسمی کی دوستی، دیانتِ فکر کے حوالے سے

ڈاکٹر انوار احمد[1]

Abstract:

"2016 was celebrated in literary world of Pakistan and Turkey as Ahmad Nadeem Qasimi centenary year. On this occasion Ankara University Organised an international seminar in Antalya. This paper was presented in it.

In this paper the friendship of two giants of Urdu fiction i.e Manto [May 1912-Jan 1955] and Nadeem [Nov 1916-July 2006] with two different ideological perceptions and approaches to the craft of storytelling has been analysed. Manto lead less organised life, faced many accusations and trials whereas Nadeem faced brief imprisonment due to political victimisation. Their literary dialogue emerged when Nadeem published the letters of Manto in 1966. In these letters Manto despite friendship seems harsh while analysing some of the stories of Nadeem. It is integrity and mental honesty of Nadeem that he has not tried to omit/improve any word or sentence to tone down its harshness."

کسی تخلیق کار کا جامع الحیثیات ہونا مبصرین کو سہولت، ناقدین کو مشکل اور قارئین کو مخمصے میں ڈالتا ہے تاہم مبصرین کو یہ سہولت ہوسکتی ہے کہ سوانح،شخصیت اورفن کا کوئی ایک پہلو[صحافت،شاعری،افسانہ نگاری، خاکہ نگاری،تنقید وغیرہ] لے لیا جائے،یا پھر 'تھوڑا،تھوڑا' ہر ایک سے لیا جائے،نقاد کے لئے ایسے تخلیق کار کی تمام تحریروں کو پڑھنا،تقابل اور تجزیہ کرنا جان لیوا ہو سکتا ہے،ایسے میں قارئین تعمیم کی طرف لے جانے والے چند مغالطوں میں ہی اسیر رہنے میں عافیت محسوس کر سکتے ہیں۔

اب کیا کیجئے کہ احمد ندیم قاسمی(نومبر ۱۹۱۶۔ جولائی ۲۰۰۶) ایک جامع الحیثیات تخلیق کار اور دانش ور تھے۔ ان کے گیارہ شعری مجموعے[دھڑکنیں،رِم جھم،جلال و جمال،شعلۂ گل،دشتِ وفا،محیط،دوام،لوحِ خاک، جمال یا مع اضافہ انوارِ جمال،بسیط اور ارض و سما] اٹھارہ افسانوی مجموعے[چوپال،بگولے،طلوع و غروب، گرداب، سیلاب(سیلاب و گرداب۔ انتخاب)،آنچل،آبلے،آس پاس،درودیوار،سناٹا،بازارِ حیات،برگِ حنا،گھر سے گھر تک،کپاس کا پھول،نیلا پتھر،کوہ پیما اورپت جھڑ، خاکوں کے دو مجموعے[میرے ہم سفر،میرے ہم قدم]، پانچ تنقیدی کتب[ادب اور تعلیم کے رشتے،تہذیب و فن،اقبال ایک محاکمہ،پسِ الفاظ،معنی کی تلاش]ترتیب و تدوین شدہ سات کتابیں [انگڑائیاں،نقوشِ لطیف،کیسر کہانی،منٹو کے خطوط بنام ندیم،پاکستان کی لوک کہانی،نذرِ حمید احمد خان اور فکاہی کالم کیسر کہانی]بچوں کے لئے تین کتب ہیں [آسمان کے گوشے میں،دوستوں کی کہانیاں اورنئی نویلی کہانیاں]ان کے علاوہ وہ 'ادبِ لطیف'،سویرا،نقوش،'اقبال'،' صحیفہ 'اور 'فنون' کے مدیر رہے،کالم وہ امروز کے علاوہ حریت اور جنگ میں بھی لکھتے رہے۔ اس زمانے میں فکاہات لکھ کر مداحوں کا ایک حلقہ پیدا کرنا آسان نہ تھا،شوکت تھانوی،ابراہیم جلیس اور خاص طور پر ابنِ انشا لکھ رہے تھے،[منو بھائی نے ذرا بعد میں لکھنا شروع کیا] مگر قاسمی صاحب اپنی روایتی بشاشت کے ساتھ ہلکے پھلکے انداز میں لکھتے تھے،مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں خلا سے زمین پرسکائی لیب کے گرنے کا خدشہ پیدا ہو گیا،تب لوگ سچ مچ قیامت سے ڈرتے

---

[1]سابق چیئرمین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

تھے،کئی روز کی قیاس آرائی کے بعد طربیہ انجام یہ ہوا کہ سکائی لیب خلا میں کہیں بھٹک گئی اور مشرقی پنجاب میں ایک سکھ نے اپنے نومولود کا نام سکائی لیب سنگھ رکھ کر دیا۔ قاسمی صاحب نے لکھا'لوگ خوش نہ ہوں کہ خطرہ ٹل گیا ہے،اگر سکائی لیب سنگھ ہی بڑا ہو کے کسی پر گر پڑا،تو کیا ہو گا;238;۔

بظاہر احمد ندیم قاسمی(نومبر 1916 -جولائی 2006) اور سعادت حسن منٹو(مئی1912 - جنوری 1955)دو مختلف شخصیتیں ہی نہیں زندگی گزارنے اورفن کی دُنیا میں ابلاغ کے دو مختلف اسالیب کا نام ہے۔ پھر منٹو نے قاسمی صاحب سے نصف عمر پائی، بلکہ ندیم،منٹو کی وفات کے بعد ۱۵ برس اور جئے، اسی طرح جس مشروب نے منٹو کو ذہنی شفاء خانے میں رکھا، اور جس کی طلب میں وہ اپنے افسانے ہی نہیں افسانوی مجموعے تک بھی 20سے 50روپے میں بیچنے پر مجبور ہوئے، قاسمی صاحب اس مشروب کے قریب بھی نہیں پھٹکے، پھر قاسمی صاحب ایک وضع دار یا شرمیلے بزرگ تھے سوائے چند قریبی احباب کی مجلس کے، جہاں وہ کھل کر بولتے ہونگے مگر منٹو ہر مقام اور ہر محفل میں مصلحت سوز تھا ریاکاری کا جامہ نہ پہنتا تھا نہ کسی کو پہنے دیکھ کر برداشت کرتا تھا۔ اپنی رندی،سرکشی،مصلحت سوزی،ڈرامائیت اور زہر ناکی میں منٹو احمد ندیم قاسمی سے یکسر مختلف محسوس ہوتے ہیں۔ اس پس منظر میں دونوں کا قریب آجانا اور احمد ندیم قاسمی کی طرف سے ناصرف اپنے ہم قدم افراد میں سعادت حسن منٹو کا ذکر محبت سے کرنا بہت تعجب خیز ہے۔ واضح رہے کہ قاسمی صاحب کی اس کتاب میں غلام رسول مہر، عبدالمجید سالک، ابو الخیر مودودی اور اس طرح کی شخصیتوں کا ذکر ہے، جنہیں جید علماء خیال کیا جاتا ہے اُن میں اختر شیرانی اور سعادت حسن منٹو کی شمولیت خود احمد ندیم قاسمی کی تخلیقی شخصیت کے تنوع کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ٹالسٹائی اور دوستوفسکی کی طرح اپنے عہد کے ان دو بڑے تخلیق کاروں کا ایک دوسرے کے قریب آنا شاید حیران کن نہیں، لیکن اس تعلق کو نبھانا اور خاص طور پر احمد ندیم قاسمی کی طرف سے اپنے نام منٹو کے خطوں کو شاءع کرنا بہت اہم بات ہے،جو1937 سے1947 تک کے عرصے میں لکھے گئے اور جن میں منٹو نے احمد ندیم قاسمی کے فن پر بعض سخت جملے لکھے ہوئے ہیں۔

قاسمی صاحب نے اپنے نام منٹو کے خطوط ٦١٩٦٦ میں شاءع کئے تو ہم جیسے گریجوایشن کے طالب علموں کے لئے ان کی یہ کاوش چشم کشا تھی،بھلا ایسے خط چھاپنے کی کسی سینئر اور 'خود پسند' ادیب کی ہمت کیسے ہو سکتی تھی،جس میں منٹو نے ندیم کی بعض 'کمزوریوں '[بہنیں بنانا،شراب سے اجتناب کرنا،افسانے کو مقصدیت کے تابع کرنا،تخلیقی عمل کے دوران بھی پاک باز رہنا یا رقتِ قلبی کا مظاہرہ کرنا]پر اپنے مخصوص سٹائل میں رائے زنی کی تھی:

''میں خود بھی بہت(Sentimental) ہوں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ میں افسانوں میں (sentiment) زیادہ نہیں بھرنا چاہئے، آپ کے افسانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے ایسا معلوم ہوتی ہے کہ sentiment آپ کی بیخ تک پہنچ چکا ہے۔ (٦٥، ص ١٢۔ ٢٢)

''آپ بقدرِ کفایت ضبط کو کام میں نہیں لاتے۔ آپ کا دماغ اسراف کا ذیادہ قائل ہے۔ آپ کا یہ افسانہ پڑھ کر مجھے آپ اس بچہ کی مانند نظر آئے جو سینما ہال میں فلم دیکھتے دیکھتے بیچ میں کئی بار بول اُٹھتا ہے۔''(ایضاً، ص ٩٣)

''آپ غایت درجہ سادہ لوح ہیں اور ہڈیوں کے گودے تک جذباتی ''(ایضاً،ص ٣٣)

''پرہیز کا لفظ ہی میری ڈکشنری سے غائب ہو گیا ہے،زندگی اگر پرہیز میں گذاری جائے تو یہ بھی قید ہے''(ایضاً،ص ٠٧)

''میَں نے آپ کا افسانہ'ماں ' پڑھا،ایک اچھے افسانے کو خراب بیان نے پھیکا بنا دیا،آپ نے گرم اور سرد پانی کو سمونے کی کوشش کی،جس میں آپ ناکام رہے ہیں۔ ''(ایضاً،ص ٨٨)

''گیت کے بول بالکل سادہ ہونے چاہیئں،چڑیوں وڑیوں کا ذکر نہ ہونا چاہیئے''(ایضاً،ص٢٣١)

''میَں دعا کا قائل ہوں،ٹھیک اسی طرح،جس طرح میَں مندر کی روح پرور فضا کا قائل ہوں،دعا کے لئے خاص لمحات ہوتے ہیں،جو دعا ہر وقت مانگی جائے،میرے خیال میں وہ دعا نہیں '(ایضاً،ص ٣٥)

یہ تو احمد ندیم قاسمی کی بعد کی کتابوں [میرے ہم سفر ٢٠٠٢، میرے ہم قدم ٧٠٠٢] سے

پتا چلتا ہے کہ پیر گھرانے سے نسبت اور بعض جید علما سے ارادت[مولانا غلام رسول مہر، میاں عبدالحمید،ڈاکٹر اقبال شیدائی،حکیم محمد سعید] نے بظاہر ان کے گرد ایک ایسا ہالہ بنا دیا تھا کہ وہ کم عمری میں ہی احترام کی مسند پر فائز ہو گئے،چنانچہ بشیر ہندی۱۹۴۴ میں اردو کے چند نمایندہ افسانہ نگاروں کی خود نوشتیں شائع کی تھیں،جن میں ندیم نے لکھا تھا:

''میرے اسلاف عہدِ مغلیہ سے بھی پہلے علاقہ سُون میں تبلیغ کے کام میں مصروف رہے،اس لئے میرے بزرگوں کے نام کے شروع میں پیر اور آخر میں شاہ کے القاب لوگوں نے احتراماً لگا دیئے،اسی لئے میرا اپنا نام احمد شاہ رکھا گیا،بعد میں شاہ نے مجھے بہت پریشان کیا کہ یہ لفظ سیدوں کے لئے مختص ہو چکا ہے۔'' [بحوالہ ادبیات،اسلام آباد،احمد ندیم قاسمی نمبر،ص ۳۱]

سو،اس تناظر میں ندیم کی منٹو،اختر شیرانی،ظہور نظر اور ظہیر کاشمیری جیسے خراباتیوں سے بے پناہ محبت تعجب خیز دکھائی دیتی ہے،مگر ندیم نے لکھا ہے:

''شعر اور افسانہ میں میرا کوئی استاد نہیں،لیکن مولانا عبدالمجید سالک،حضرت اختر شیرانی،حضرت جوش ملیح آبادی،جناب سعادت حسن منٹو اور جناب کرشن چندر میرے مہربان بزرگ اور دوست ہیں اور غیر محسوس طور پر ان کی ذات اور صفات کا اثر میری روح پر پڑتا رہتا ہے۔ ''(خود نوشت، مشمولہ' ادبیات' اسلام آباد۔ احمد ندیم قاسمی نمبر،ص ۵۱)

یہ بھی احمد ندیم قاسمی کی دیانتِ فکر ہے کہ انہوں نے ان جملوں کو ایڈٹ نہیں کیا۔ ان دونوں قلم کاروں میں قربت کے اسباب پر غور کیا جائے تو خیال آتا ہے کہ منٹو کو بھی ندیم کی طرح اپنی ماں سے بہت محبت تھی،اس محبت میں تنگ دستی نے اور اضافہ کیا،ندیم نے' افکار' کراچی کے ندیم نمبر میں شائع ہونے والی اپنی یادوں میں لکھا ہے:

''ماں مجھے روزانہ ایک پیسہ دینے کی بجائے میرے آنسو پونچھ دینا زیادہ آسان سمجھتی''۔
(چند یادیں، افکار،ندیم نمبر ص ۰۹)

ندیم کا گھرانہ پیر گھرانہ تھا،مگر وہاں تنگ دستی تھی،انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابا جی کو تو وظاءف سے فراغت نہ تھی،ماں ہی ان کی دوات کے لئے چیڑ کے درخت سے گوند اتارتی،پھر توے کی کالک کو کھرچ کر ان کی دوات کے لئے سیاہی بناتی کہ یہ روشنائی بن جائے،اس علاقے میں جہاں بھوک اگتی تھی،جہاں انگریزوں کو جنگوں کا ایندھن فراہم کرنے والے ملکوں کے انسانیت سوز نظام کا راج تھا،یہی وجہ ہے کہ ندیم نے اوائلِ عمر سے دیہات اور دیہاتی کو موضوع بنا کر رومانوی افسانے لکھنے کی بجائے غربت،تذلیل اور استحصالِ انسانی کو موضوع بنایا،جنگِ عظیم اول اور دوم میں اس خطے نے تاجِ برطانیہ کے لئے جانیں اور انسانی اعضا ہی قربان نہیں کئے تھے،پیچھے کنبوں نے عصمت فروشی ہی نہیں معمولی پنشن کے لئے گھر اور گھریلو رشتے لُٹوائے اور زمانے نے بھی جیسے جیسے منٹوکو مشکل میں ڈالا وہ زندگی کی سب سے بڑی قدر مامتا کو قرار دینے لگا۔ اس کی طواءفوں میں وہی عورتیں ہیں جن کی توہین کی گئی اُن کی مامتا کو کچلا گیا مگر موذیل ہو یا سوگندھی۔ ان کا سب سے بڑا وصف مامتا ہے اسی مامتا کا مردانہ روپ بابو گوپی ناتھ ہے شاید احمد ندیم قاسمی نے منٹو کو جب ابتدائی خط لکھے ہونگے تو اُن میں اپنے گھریلو پس منظر کے سبب گریجویشن کے باوجود اپنی بےروزگاری یا معاشی مشکلات کا ذکر کیا ہوگا۔ احمد ندیم قاسمی کی معصومانہ پاک بازی، شراب سے اجتناب، خواتین کو بہن بنانے کی عادت کے سبب منٹو نے اپنے ہم عمر اس شخص کو اپنانے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ فلمی دُنیا میں کوئی گنجائش پیدا ہوتے ہی منٹو ندیم کو بلوا لیتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اُنہیں زیادہ سے زیادہ مواقع ملیں۔ ان خطوں میں سے بہت سوں میں وہ فلمی منظر نامے بلکہ گیتوں کے حوالے سے تخلیقی مشورے دیتے نظر آتے ہیں۔ کیا عجب کہ منٹو کی مامتا نے ندیم کو جینے کے لئے تھوڑی کمینگی اختیار کرنے کے مشورے دے کر اس کی معصومیت اور پاکبازی کی حفاظت پر مامور ہوئی ہو۔

اُن تعلقات میں ایک دو موقعوں پر دراڑ بھی پیدا ہوئی جن کا احمد ندیم قاسمی نے بڑی محبت سے ذکر کیا ہے۔ ترقی پسند تنظیم کے بعض فیصلوں کے سبب منٹو ناراض ہوئے تھے اور پھر مضمون اور جواب المضمون کا سلسلہ شروع ہوا۔ ندیم اس واقعے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

منٹو کانوں کے کچے تھے وہ کچھ لوگوں کے بہکاوے میں آکر اپنے رد عمل کا اظہار کردیتے تھے مگر جب صورتحال کا اندازہ ہوتا تھا تو اپنی بے ساختہ ہنسی یا شگفتہ خودملامتی جملے میں اس ساری تلخی کو گھول کر پی جاتے تھے۔ منٹو احمد ندیم قاسمی کی شاعری کو فلمی دُنیا میں لانے کے آرزو مند تھے مگر قاسمی صاحب ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی یا قتیل شفائی یا تنویر نقوی جیسی کامیابی حاصل نہ کرسکے۔ اس کی وجہ یہ تھی قاسمی صاحب کو مسلسل یہ احساس ہوا کرتا کہ وہ ایک پیرخانوادے کے فرد ہیں اور انہیں فلمی دنیا میں جاکر اس نسبت کا بہت سا حصہ گنوانا ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ منٹو کے جن افسانوں پر مقدمہ چلایا گیا اُن میں سے ایک افسانہ تو احمد ندیم قاسمی کے زیر اِدارت رسالے میں چھپا۔ منٹو نے بہت لطف لے کر ان مقدموں کی روداد لکھی ہے لیکن اس زمانہِ عتاب میں لاہور کے قلمی حلقوں کی آزمائش بھی ہورہی تھی کہ کوئی ادیب ہوکر افسانے میں فحاشی اور جمالیات واظہار کے وسائل کے حوالے سے استغاثے اور صفائی کے گواہوں میں الگ الگ صف آرائی ایک دلچسپ تہذیبی منظر بیان کرتے ہیں۔

جہاں احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری کو پرکھنے کےلئے ہم سعادت حسن منٹو کے بعض تخلیقی اور ترکیبی جملوں کا حوالہ دیتے ہیں وہاں یہ کس طرح نظر انداز کردیتے ہیں کہ احمد ندیم قاسمی نے خود منٹو کی ضد اور فن پر بے حد معنی خیز تبصرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں انگریز سرکار جانتی تھی کہ منٹو ایک ضدی آدمی ہے وہ اگر اُس کے افسانے 'نیا قانون' پر مقدمہ چلاتی یا 'تماشا' پر چلاتی یا 'سٹوڈنٹ یونین کیمپ پر تو شاید منٹو سیاسی اعتبار سے باغی ہوکر انگریزوں کے خلاف اور دھواں دھار افسانے لکھتا مگر سرکار نے توقف کیا اور منتظر رہی کہ وہ کوئی غلطی کرے چنانچہ منٹو نے جب نو عمر بچوں کی جنسی نفسیات پر افسانے لکھے توان پر مقدمہ چلایا گیا اور یوں منٹو اس سرکار کے بچھائے ہوئے دام میں پھنس گئے چنانچہ اُنہوں نے 'دھواں ' کے بعد 'بلاؤز' لکھا بلاؤز کے بعد 'بُو' لکھا اور ان تینوں پر مقدمے چلے۔ بدقسمتی سے پاکستان بننے کے بعد بھی اُسی طرح کے سرکاری مہروں نے منٹو پر 'ٹھنڈا گوشت' اور 'کھول دو پر' مقدمے چلائے ہی 'کالی شلوار' جیسے بے ضررافسانے پر بھی مقدمے سے باز نہ آئے۔

(۲۰۱٦ء میں احمد ندیم قاسمی کی پیدائش کا صد سالہ جشن منایا گیا، اس موقع پر پاکستان کے بہترین دوست ترکی اور ترکی کے سب سے پرانے شعبہ اُردو کی سربراہ ڈاکٹر آسمان بیلن اوز جان نے ایک بین الاقوامی سیمینار کا اہتمام کیا،واضح رہے کہ وہ اورینٹل کالج لاہور میں پڑھتی رہیں،پھر پروین شاکر،پاکستان میں نسائی شعور کی پہلی نمایندہ آواز کے موضوع پر انقرہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھتے ہوئے کراچی،ملتان،لاہوراور پنڈی، اسلام آباد میں گئیں تو اپنے عہد کی سب سے بڑی ادبی شخصیت احمد ندیم قاسمی سے ملیں،جن کے پاس مشفقانہ رہنمائی کے لئے بے پناہ ذخیرہ تھا کیونکہ انہوں نے اور ان کے ادبی جریدے'فنون' نے خوشبو کی شاعرہ کو 'ماہِ تمام' بنایا۔ انطالیہ میں انقرہ یونیورسٹی کے زیر اہتمام اس سیمینار کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں 'فنون' کی موجودہ مدیر اور قاسمی صاحب کی صاحبزادی ڈاکٹر ناہید قاسمی اپنے صاحبزادے نیر حیات کے ساتھ موجود تھیں۔)

حوالہ جات

۱۔ افکار،کراچی، احمد ندیم قاسمی نمبر، جلد ۳۰،شمارہ۵۸-۵۹،جنوری فروری۱۹۷۵ء
۲۔ ندیم نامہ [مرتب: اسلم فرخی ڈاکٹر] کراچی، ادارہ تصنیف وتالیف و ترجمہ،۲۰۰۶ء
۳۔ احمد ندیم قاسمی ایک لیجنڈ از شکیل الرحمن ڈاکٹر،لاہور، اساطیر پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء
۴۔ ماہِ نو،لاہور، احمد ندیم قاسمی نمبر،۲۰۱۶ء
۵۔ ادبیات،[مرتب: ڈاکٹر راشد حمید]،اسلام آباد،احمد ندیم قاسمی نمبر ۲۰۱۶ء
۶۔ منٹو کے خطوط،ندیم کے نام [مرتب: احمد ندیم قاسمی]، لاہور، پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈ، ۱۹۹۱ء
۷۔ منٹو صدی(۱۹۱۲۔ ۲۰۱۲) مرتب: عائشہ جلال اور نصرت جلال، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء
۸۔ منٹو حقیقت سے افسانے تک از ڈاکٹر شمیم حنفی، کراچی، شہرزاد،دسمبر ۲۰۱۲ء
۹۔ سعادت حسن منٹو(تحقیق) از ڈاکٹر علی ثنا بخاری، لاہور، منٹو اکادمی،مئی ۲۰۰۶ء
۱۰۔ منٹو کا اسلوب از ڈاکٹر طاہرہ اقبال،لاہور، فکشن ہاؤس ۲۰۱۲ء
۱۱۔ فسانے منٹو کے اور پھر بیاں اپنا از خالد اشرف، دہلی بھارت، کے ایم کالج دہلی یونیورسٹی ۲۰۰۶ء